OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com
DOI: https://doi.org/10.53575/u1.v6.02(22)1-11

برکت اور خوشی: انیسویں اور بیسویں صدی کے جنوبی ایشیا میں صوفیا کے مزارت

Barkat and Happiness: South Asian Sufi Shrines in The Nineteenth and Twentieth Centuries

SHIFA AHMAD
Lecturer, Department of History of Art, Institute of History, Government College University Lahore.
Email: shifaahmad@gcu.edu.pk

DR. HUSSAIN AHMAD KHAN
Associate Professor and Director, Institute of History, Government College University Lahore.
Email: hussainahmad@gcu.edu.pk

Received on: 05-04-2022 Accepted on: 20-06-2022

Abstract

During the nineteenth and the twentieth centuries, architectural spaces of Sufi shrines in South Asia affected the ideas, feelings, and behavior of the shrine-based communities. Acting as/Being a medium between humans' thinking, memory, feeling, and their surroundings, architecture has the capacity to invoke various emotions such as happiness and sadness in them. The intensity with which architecture can influence the human emotion can at times be quite overwhelming. Sacred Sufi architectural spaces in South Asia perform similar functions, where people perform various rituals to attain baraka and experience the emotion of joy and happiness.

Keywords: Happiness; Sufi Shrine; architecture; rituals; *baraka*

دنیا بھر میں صوفیا کے مزارات نہ صرف عقیدت کی جگہ ہیں بلکہ انسانی کیفیات اور جذبات کی تسکین کا مسکن بھی ہیں۔ صدیوں سے مسلم اور مختلف مذاہب کے لوگ خوشی اور سکون کے حصول کی خاطر مزارات سے جڑی مختلف رسومات اور سر گرمیوں میں حصہ لیتے آئے ہیں۔ کیفیات اور جذبات انسانی وجود کا حصہ ہیں۔ انسان کے جذبات تغیرات میں سے گزرتے رہتے ہیں اور یہ ایک قدرتی عمل ہے۔ تاریخی واقعات انسانی جذبات کی اہم وجوہات میں سے ایک ہیں۔ ہمارے جذبات اور کیفیات تاریخی عمل کی وجہ بنتے ہیں اور اس تاریخی عمل کے نتیجے میں نئے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ دان اس بات سے متفق ہیں کے تاریخی عمل کو سمجھنے کے لئے انسان کے احساسات اور جذبات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جذبات کس طرح کام کرتے ہیں؟ انکا مطلب کیا ہے؟ ان سوالات کو تاریخی واقعات سے جوڑ کر دیکھنے سے تاریخی عمل کو سمجھنا یقیناً آسان ہو جاتا ہے۔

خوشی کے تصور کا فلسفیوں اور مورخین نے ہر عہد میں بڑے پیمانے پر تجزیہ کیا ہے۔ زیادہ تر فلسفی اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ کلاسیکی عہد میں بھی خوشی کا تصور خوش قسمتی کے گرد مرکوز تھا اور اس پر انسان کا اختیار نہیں تھا۔[1] میسام اس بات پر زور دیتا ہے کہ ارسطو نے جو خوش قسمتی کے لیے نعمت جیسے الفاظ استعمال کیے وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہے کہ ارسطو کے لیۓ اچھی زندگی گزارنے کا مطلب برکت ہے۔ اس طرح خوشی اور اچھی زندگی کے اصل معنی خوش نصیب، اور بابرکت ہونا ہیں نیز انکا بیرونی حالات پر بہت زیادہ انحصار ہے۔[2] میسام کے ہم عصر امریکی مورخین خوشی کو ایک ایسی شے کے طور پر دیکھتے ہیں جس پر ان کا اختیار ہے اور جس کا وہ سرگرمی سے تعاقب کر سکتے ہیں۔[3]

صوفیائے کرام کے ملفوظات میں مختلف انداز میں ہمیں خوشی کے اظہار کا تذکرہ ملتا ہے۔ جہاں صوفیاء کبھی درگاہ کی عمارت کی تکمیل پر خوش ہوتے ہیں تو کبھی بادشاہ وقت کا ہاتھ میں جوتی اٹھائے اُن کی بارگاہ میں حاضر ہونا خوشی کا باعث بنتا ہے اور وہ اسی خوشی سے سرشار سائل کو دین و دنیا کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں۔[4] اسی طرح تاریخ میں اولیائے کرام اور صوفیا کے ساتھ محبت، عقیدت، اور مسرت کے جذبات کا ذکر جابجا نظر آتا ہے۔ صوفیا کے ساتھ عقیدت و محبت کے جذبات کی ایک اور مثال تیمور لنگ بھی تھا۔[5] تیمور کا صوفیا کو اپنے ساتھ رکھنا اور ایک صوفی کے مزار کے احاطے میں قبر کے ساتھ دفن ہونے کی وصیت کرنا اس کی واضح مثال ہے۔[6] صوفیا کا مریدین کے ساتھ تعلق اور اس تعلق کی بناء پر تسکین اور مسرت کے جذبات کے اظہار کی بیشمار مثالیں صوفی ادب میں ملتی ہیں۔ صوفیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے محبت، عقیدت و احترام، خود رفتگی، مزار کی مافوق الفطرت طاقت اور اس جیسی کئی کیفیات انسان کو مسرت کے جذبات سے سرشار کرتی ہیں۔ ان جذبات اور احساسات کے ظہور میں بلاشبہ صوفیا کا روحانی فیض اور ان کی تعلیمات سے ہماری قلبی وابستگی کی بدولت ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود مزار کی عمارت، اس کا فنِ تعمیر، گنبد، مینار، محراب، منبر، تزئین و آرائش، نقش و نگار، خطاطی اور اس جیسے دیگر تعمیراتی پہلو بھی ایک خاص مسرت بخش احساس پیدا کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں مائی موراں اور رنجیت سنگھ کا مسجد وزیر خان کے فنِ تعمیر سے متاثر ہونا، مسجد کے مینار کی برجیوں میں محافل کا سجانا اور ایک صوفی عبدالرزاق گازورنی کی برکات کی بدولت تائب ہو کر بے پناہ عقیدت کا اظہار کرنا شامل ہے۔[7] اسی تناظر میں بابا بلھے شاہ کے مزار، جو کچھ عرصہ پہلے ہی دوبارہ تعمیر کیا گیا، کے متعلق مشہور آرکیٹیکٹ، غافر شہزاد کہتے ہیں کے میری خوش قسمتی ہے کہ بابا بلھے شاہ کے مزار کا ڈزائن میں نے تیار کیا اور اسکی تعمیر کو مکمل کروایا۔ مزار کا فنِ تعمیر صاحبِ مزار کا علامتی عمارتی اظہار ہے۔ مزار کی عمارت کے چار گنبد بلھے شاہ کے چار مریدین اور مقلیدین کو ظاہر کرتے ہیں۔ مزار کی عمارت میں بنائی گئی گول قوسیں بلھے شاہ کی شاعری میں استعمال ہونے والے چرخہ کی علامت ہیں اور چہار جانب بڑی قوسیں زائرین کو خوشآمدید کہتی ہیں۔ مزار کا غیر روایتی اندازِ تعمیر ان کی شاعری کی طرح جدیدیت کی علامت ہے۔[8]

صوفیائے کرام کے ملفوظات سے ایسے کئی شواہد ملتے ہیں کہ تاریخی عمل میں تغیر کی وجوہات جذبات تھے مگر اس پر تاریخ دانوں کی کم مائگی اور کم توجہ کی وجہ سے اس موضوع پر تحقیق کی کافی گنجائش باقی ہے۔ صوفیا کی ایک مسکراہٹ سے زائرین کی زندگیاں بدلتیں ہیں تو تاریخ گواہ ہے کہ صوفیائے کرام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیۓ بادشاہوں نے بھی ننگے پاوں دور دراز کا سفر کر کے خانقاہوں میں حاضریاں دیں ہیں۔[9]

صوفی روایت میں برکت اور خوشی کا تصور

صوفی ادب کی روایات میں برکت کے تصور کا براہ راست تعلق صوفیائے کرام کی ذات اور انکے مزار سے ہے۔[10]لوگ برکت کے حصول کی لیئے درگاہوں پر جاتے ہیں۔ دور حاضر میں اب تک لوگوں کا دربار کی جانب برکت اور رحمت کے حصول کی خاطر رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے۔ برکت کے معنی خوشحالی اور نعمت کے ہیں۔[11] برکت کا براہ راست تعلق جذبات کی تسکین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جذبات کی تاریخ لکھنے والے تسکین اور خوشی کے جذبات اور کیفیات کو زائرین کے مختلف تجربات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ زائرین کا مزار میں آنا اور مراد پانا انکے نزدیک برکت کی دلیل ہے۔ برکت کی تلاش میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے مزارات پر حاضری دیتے نظر آتے ہیں جن کا مقصد روحانی اور جسمانی علالتوں سے چھٹکارا پانا ہوتا ہے۔[12] جیسا کہ اب تک لاہور میں باباشاہ جمال کے مزار کے قریب جوہڑ پر لوگ اس واسطے نہانے میں عار محسوس نہیں کرتے کہ اسی سے انہیں خارش جیسے مرض سے نجات مل جاتی ہے اور عقیدت منداسے باباشاہ جمال کی برکت تصّور کرتے ہیں۔

برکت کا تصور صوفیا کے مزارات اور عقیدت مندوں کے درمیان سماجی مطابقت کو اجاگر کرنے کا کام کرتا ہے۔[13]ہندوستان کے تاریخی تناظر میں برکت کا تصور صوفیا کے مزارات کے ساتھ منسلک خوشی حاصل کرنے کے لیئے دربار کے ساتھ ہم آہنگی ظاہر کرنے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اکبر کا چتوڑ کے قلعے کو سر کرنے کے لیئے لاہور میں جین مندر کے قریب واقع نقشبندی صوفی جلال الدین موج دریا سے دعا کروانا اور چتوڑ کا قلعہ سر کرلینا۔ اسی مناسبت سے جہانگیر کا میاں میر کو برکت کے حصول کے لیئے اپنے دربار میں نہایت عقیدت و احترام سے دعوت دینا۔ یہ سب واقعات صوفیا سے وابستہ خوشی حاصل کرنے اور ہم آہنگی کی دلیل ہیں۔

البرٹو گومز نے عمارات اور انسان کے درمیان کھوئے ہوئے ربط کو بے نقاب کرنے کے لیئے، ہم آہنگی کے تناظر میں مذہبی فن تعمیر کی وضاحت کی۔[14] مذہبی فنِ تعمیر بھی عقیدت مندوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور کاریگر برکت کے حصول کی خاطر اس کی تعمیر و تزیئن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بہاوالدین زکریا ملتانی کا مزار وسطی ایشیا کی طرز تعمیر کی نمائندگی کرتا ہے جسکا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جنگ و جدل سے اجڑ کر وسط ایشیا کے لوگ جب ملتان آیئں تو وہ خود کو اس خطے کی تہذیب کا حصہ تصور کریں اور جلد اس کے رنگ میں رنگ جائیں۔ البرٹو گومز مذہبی عمارت کو ایک آلے کے طور پر بیان کرتا ہے تاکہ عقیدت مند طبقے کو عمارت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے میں ایک مضبوط بنیاد فراہم کی جا سکے۔[15]عقیدت مند طبقہ اپنے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کے حل کے لیئے صوفیا کے مزارات پر جاتے ہیں۔[16] ایلن موریئس ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ ،حج تمام موجودہ انسانی مسائل کے حل کے لیئے خواہش اور یقین کے نظام کی پیداوار ہے۔[17]

انیسویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں اضطراب اور افسردگی کا سماجی اور معاشی مسائل کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ مسلمانوں کی اعلیٰ مقام سے معاشرے کی پست ترین سطح تک تنزلی اور انکے بگڑتے ہوئے سماجی اور مالی حالات نے انکو سکون کی تلاش میں مزارات کی جانب مائل کیا۔[18]خواجہ حسن نظامی بیگمات کے آنسو میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ کس طرح مغل شہزادیوں اور شہزادوں نے

لال قلعے کے اجڑنے کے بعد نظام لدین اولیاء کے مزار میں پناہ لی۔[19] اولیاء کے مزارات دکھ کی گھڑی میں زخموں پر مرہم کا کام بھی کرتے تھے۔اس تناظر میں، صوفیا کے پیروکار مراقبے کے ذریعے ذہنی سکون حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔[20] لوگ طبّی علاج کے ساتھ روحانی علاج کے لیے بھی صوفیا کے مزارات کی طرف مائل ہوئے تاکہ سماجی سیٹ اپ میں تبدیلی کے خوف اور اندیشوں کو ختم کیا جاسکے جس کی وجہ سے ان کی جسمانی اور ذہنی حالت بگڑ جاتی تھی۔[21] لوگ مزارات پر جاتے اور برکت کے حصول کی خاطر رسومات ادا کرتے اور خود کو مطمئن اور خوش محسوس کرتے تھے۔ مسلمانوں کے اضطراب اور پریشانی کے خاتمے کے لیے اور تربیت کی غرض سے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بہت سی خانقاہیں تعمیر کی گیئں۔[22] اس ضمن میں برصغیر کے سب سے بااثر چشتی سلسلۂ کے صوفی نور محمد مہاروی(۱۷۴۶-۱۷۹۳) نے پنجاب کے مختلف شہروں مثلاً چشتیاں، مٹھن کوٹ، تونسہ، چھچھراں، احمد پور اور ملتان میں خانقاہیں تعمیر کروایں۔[23] لوگ تسلسل سے ان خانقاہوں میں دین و دنیا کے معاملات میں بہتری اور برکت کی غرض سے حاضر ہوتے۔ بیسویں صدی کے نصف میں ہندوستان کی تقسیم کی صورت میں رونما ہونے والے ہنگاموں اور قتل وغارت سے بچنے کی غرض سے لوگوں نے صوفیا کے مزارات میں پناہ لی۔ پریشان حال لوگوں کے صوفیا کے معجزانہ فیض پر یقین کی ایک مثال بابا بشیر ہیں جو تقسیم کے پچھتر سال بعد بھی مجد دالف ثانی کے دربار میں پناہ لینے اور محفوظ رہنے کی داستان سنا کر تشکر سے بھرپور آنسو بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[24]

مزارات سے جڑے واقعات اور دلی مسرت

سیبسٹیا نے مزار کو ایسے "حفاظتی قلعہ" کے طور پر بیان کیا ہے جو کہ زائرین کے لیے پناہ فراہم کرتا ہے۔[25] جیسا کہ 1857ء کی جنگ کے دنوں میں معین الدین چشتی کی درگاہ اجمیر شریف نے مغل شہزادوں اور شہزادیوں کے لیے حفاظتی قلعہ کا کام سرانجام دیا۔[26] شخصی تذلیل اور سماجی و معاشی تنزلی نے لوگوں کو صوفیا کے درباروں کی طرف مائل کیا۔ لوگ نا صرف روحانی بلکہ جسمانی مسائل کے حل کے لیے درباروں میں رہتے تاکہ شفا پاسکیں۔ فیض پانے کا یہی سلسہ اب بھی جاری وساری ہے۔ اسی تناظر میں نور محمد مہاروی کے مزار پر ایک خاتون مرید راشدہ بی بی نے بتایا کہ دو ہفتے کے وقفے کے ساتھ تین راتیں مزار میں رہنے کے بعد ان کی طبیعت میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کس بات نے ان کو مزار میں رہنے کی طرف مائل کیا، اور وہ کیسا محسوس کرتی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ "بے ساختہ" ہوا ہے، مزید کہا، کہ ہم صرف لنگر کھاتے ہیں، مراقبہ کرتے ہیں اور اسی کیفیت میں سوجاتے ہیں۔ راشدہ بی بی کے مشاہدے کے مطابق زائرین خوشی کے حصول کی خاطر مزارات سے خود کو جوڑنے کے لیے بہت سی رسومات ادا کرتے ہیں۔ زائرین کی مزار پر حاضری، رسومات کی ادائیگی انکی روزمرہ کی زندگی میں انکی عادات سے جھلکتی ہیں اور یہ ان کی عادات کا جزو بن جاتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی، کھانے، سونے، گھر کے کام کاج وغیرہ۔[27]

میاں میر کے ایک عقیدت مند شبیر احمد[28] نے بتایا کہ وہ ذہنی و روحانی تسکین کی خاطر بہت سے مزارات پر گئے اور متعدد درگاہوں میں رہنے کا تجربہ کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کس چیز نے انکو اتنا پر سکون اور شکر گزار بنایا؟ کس درگاہ نے انکو اپنے خیالات سے زیادہ ہم آہنگ کیا؟ انہوں

نے جواب دیا کہ تمام مزارات نے انہیں مطمئن کر دیا تھا، اسی بحث میں انہوں نے درگاہ میاں میر کو اطمینان اور برکت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ موثر قرار دیا۔ کرسٹین بیلامی نے مزارات کی اس تبدیلی پر بحث کرتے ہوئے حسین ٹیکری درگاہ کے زائرین کی مثالیں دی ہیں جو اکثر دوسرے مزارات کے ساتھ ساتھ اسلامی نسبت کے لحاظ سے بھی جاتے تھے۔[29] شبیر جیسے لوگ مذہب سے بالاتر ہو کر مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں میں بھی گئے۔ ان کے خیال میں مزارات کی افادیت کا براہ راست تعلق خدا کے وجود کے احساس سے ہے اور انہوں نے مزید کہا کہ تمام مزارات ایک جیسے ہیں۔ ہر جگہ ایک ہی خدا ہے۔

اسی تناظر میں گیسٹن بیچلارڈ نے اپنی ایک مشہور تصنیف 'دی پوئیٹک آف سپیس' میں واضح کیا ہے کہ تعمیر شدہ ماحول کا انسانوں سے گہرا رشتہ ہے۔ جگہ کے ساتھ یہ رشتہ قابل پیائش نہیں کیونکہ یہ سائنسی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ بیچلارڈ کے مطابق، فن تعمیر ہمارے وجود کی حسوں کے ساتھ انتہائی باریکی سے تال میل کھاتا ہے اور جذبات پیدا کرتا ہے۔[30] مسرت و تسکین کے جذبات کے حصول کے لی ئے زائرین مختلف عقیدتی رسومات ادا کرتے ہیں جیسے کہ سماع[31] اور دھمال۔[32] سماع اور دھمال چشتی مزار کا ایک لازمی جزو ہیں۔ سماع اور دھمال نے لوگوں میں وارفتگی کی سی کیفیت کو جنم دیا اور انکی خدا کے ساتھ جذباتی وابستگی اور تعلق کو مظبوط کیا۔[33] سماع اور دھمال کو قادری صوفیا کی درگاہوں پر دیکھا جاسکتا ہے جیسا کہ لاہور میں سب سے زیادہ دھمال باباشاہ جمال اور شاہ حسین کے درباروں پر ہوتا ہے۔ یہ دونوں قادری بزرگ ہیں۔

مذہبی تناظر میں خوشی کے حصول کے لی ئے عقیدت کے ساتھ رسومات کو ادا کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ رسم کے بارے میں لکھتے ہوئے کچھ اسکالرز جیسے ایمائل ڈرکھیم، جوناتھن زیڈ، کلیفورڈ گیئرٹز، اور گرے ایل ایبرسول نے جذبات کو مذہب کی تحقیقات کا ایک اہم پہلو سمجھا ہے۔ ڈرکھیم کا خیال ہے کہ رسم ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے جس کے ذریعے کمیونٹی میں ہم آہنگی کے احساس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔[34] گیئرٹز کا خیال ہے کہ مزاج اور محرکات مذہب کا ایک اہم پہلو ہیں، اور رسومات ثقافت میں مذہب کی اثر انگیز قوت میں بڑھاتیں ہیں۔[35]

صوفی ملفوضات میں بہت سی جگہوں پر موسیقی کی محافل، وجد، اور وارفتگی جیسی حالتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ دہلی کے ایک چشتی صوفی بندہ نواز گیسو دراز کی وفات بھی حالت سکر میں ہوئی خوشی کے حصول کے لی ئے چشتی صوفیاء کے ہاں صوفیانہ محفل یا سماع کا انعقاد باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ سماع کو قوال پیش کرتے تھے جو مزارات سے وابستہ تھے۔ داتا علی ہجویری اور میاں میر کے دربار پر قوالی اور سماع کا نظارہ اب بھی ہر جمعرات کو کیا جاسکتا ہے۔ دربار سے وابستہ مریدین اور دیگر عقیدت مندان محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ مسلم معاشرے میں موسیقی کے مقام کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مسلمان مفکرین کے درمیان موسیقی کی اسلامی حیثیت کے بارے میں کبھی نہ ختم ہونے والی بحث ہے۔[36]

صوفیا کے مزارات پر عرس کے دوران، رسومات، صوفیوں کی خیالی تصاویر، قوالی اور صوفیا سے متعلق واقعات اور روایات نہ صرف جذبات کا اظہار کرتی تھیں بلکہ بعض جذبات کو ابھارنے کی نیت سے بھی استعمال ہوتی تھیں۔ چشتی صوفیا کے مزاروں کے متولیوں نے پیروکاروں کو مناسب "احساس کے اصول" بھی سکھائے۔ اس طرح جذباتی طرز عمل نے چشتی شناخت اور برادری کا احساس پیدا کیا اور اسے برقرار رکھا۔

صوفی روایات میں صوفیا کے پیروکاروں نے اپنے مرشد کو خدا کے مظہر کے طور پر دیکھا، اور یہ یقین انکے کے لیۓ خوشی کی کیفیت کو حاصل کرنے کے لیۓ اہم تھا۔

صدیوں سے ہندوؤں کی عبادت میں موسیقی کی ایک مضبوط روایت چلی آرہی ہے لیکن ہندوستان میں چشتی صوفیا، معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، نظام الدین اولیاء، امیر خسرو اور ناصر الدین چراغ دہلوی نے سماع اور موسیقی کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ امیر خسرو نے نظام الدین اولیاء کی موجودگی اور رہنمائی میں ایسے ایسے راگ ایجاد کیے ہیں کہ وہ صدیوں سے تواتر سے گائے جاتے ہیں۔[37] اسی طرح انہوں نے موسیقی کے بہت سے ساز جیسا کہ تانپورہ، ڈھولک اور طبلہ ایجاد کیا ہے۔ امیر خسرو نے ہندوستانی موسیقی کو ایک نئے رخ سے روشناس کروایا۔ کچھ مورخین کا کہنا کہ قوالی کی ایجاد کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔[38] امیر خسرو پر زوئے انصاری کی مرتب کردہ کتاب میں آپ کی زندگی اور ایجادات کا ذکر کیا گیا ہے۔[39] موسیقی کے ذریعے خوشی کے حصول کی خاطر سماع کا فروغ صوفی مزاروں پر عقیدت کی رسم کے طور پر نظر آتا ہے۔ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں چشتی صوفی سلسلے میں سماع کی مجالس کو منعقد کروانے کے بانی تھے وہ باقاعدگی سے سماع کی محافل منعقد کرواتے تھے۔ سماع کے ذریعے خوشی کے حصول کی خاطر مجالس میں بہت سے علمائے کرام تشریف لایا کرتے۔ سماع کی محافل میں حصہ لینے کے حوالے سے عبدالمجید، ناصر الدین چراغ دہلوی کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب معراج العاشقین میں کہتے ہیں کہ ناصر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا "سماع غیر دریافت شدہ کو تلاش کرنے کا ایک طریقہ ہے"۔[40] ایک اور روایت سے ثابت ہے کہ قطب الدین بختیار کاکی وہ واحد صوفی بزرگ تھے جن کا انتقال سماع سنتے ہوئے وجد کی حالت میں ہوا۔[41] صوفیا کی موسیقی کے ساتھ ایسی جڑت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ سماع سکون اور خوشی کے حصول کا بڑا مضبوط زریعہ رہا ہے۔

صوفیا کی برکات اور ذرائع معاش

مزار سے جڑی جذباتی کمیونٹی[42] کے لیۓ خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے لیۓ وہ خدا کے محبوب بندوں سے اپنا تعلق بنا لیتے ہیں۔ یہاں مزار پر مبنی جذباتی کمیونٹی کا مطلب ہے ہم خیال لوگوں کی وہ کمیونٹی جو خود کو صوفیا کے ساتھ منسوب کر لیتی ہے اور اپنی شناخت کو صوفیا کی شناخت کے ساتھ جوڑ لیتی ہے۔[43]

اسی ضمن میں عہد وسطی سے ایک مثال بادشاہ اکبر کی ہے جس نے عقیدت اور محبت کے جذبات کے اظہار کے لیۓ اپنے بیٹے سلیم کا نام صوفی بزرگ سلیم چشتی کے نام پر رکھا۔[44] عوام الناس میں بھی بچوں اور کاروبار زندگی کے نام صوفیائے کرام کے نام پر رکھنے کی بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ بابا محمد یحیٰ خان 'کاجل کوٹھا' میں ایک سکھ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب ربِ تعالیٰ نے اس کو عمر کے آخری حصے میں اولاد کی دولت سے نوازا اور اس نے اپنی دختر کا نام داتا علی ہجویری کی نسبت سے اور فیض و برکت کی خاطر ہجویریہ رکھا۔[45] ایسے ہی یہ روایت اب تک قائم ہے اور اب بھی اکثر و بیشتر بچوں کے نام حتی کہ شہروں کے نام بھی صوفیا سے عقیدت اور برکت کے حصول کے لیۓ رکھے جاتے ہیں جیسا کہ بڑیلہ شریف سرکار۔[46] خوشی اور سکون کو پانے کے لیۓ زائرین صوفی مزارات میں مختلف عقیدتی رسومات سرانجام دیتے

ہیں اور عرس میں شرکت کرتے ہیں۔

مریدین اظہار عقیدت میں عموماً اپنے صوفیا کے نام اپنا لیتے ہیں جیسے عطاری، قادری، چشتی، صابری، فریدی، نقیبی، نقشبندی، شمسی، تبریزی اور مرتضی وغیرہ۔[47] نیز ہندوستان میں بہت سے شہروں اور علاقوں کو نام صوفیا اور صوفی سلسلوں کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

بیسویں صدی کے نوآبادیاتی پنجاب میں خوشی کے حصول کے لی ئے تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف، چشتیاں شریف کی اہل سنت برادری خوشی کے حصول کے لی ئے خود کو چشتی صوفیاء کے مزارات سے جوڑتی نظر آتی ہے۔[48]

انیسویں اور بیسویں صدی کے ہندوستان میں اولیاے کرام سے عوامی اظہارِ عقیدت و محبت، برکت اور خوشی کے حصول کے لی ئے لوگ اپنی دکانوں اور ذرائعِ معاش کے نام ان بزرگوں کی نسبت سے رکھتے آئے ہیں۔ لاہور اور اس کے نواح میں سید علی ہجویری کی نسبت سے ایسے بہت سے نام نظر آتے ہیں جیسے ہجویری کالونی اور داتا کی نگری۔ اسی طرح ہندوستان کے دیگر شہروں اور علاقوں میں بہت سے صوفی سلسلوں اور صوفیا کے اسمائے گرامی سے منسوب کاروبار زندگی دکھائی دیتے ہیں. بابا محمد یحیٰی کی کتاب 'کاجل کوٹھا' میں ایسے روزمرہ کے واقعات اور نام دیکھے جا سکتے ہیں۔[49] کچھ نسبتیں اس خطے میں ہمہ گیر بھی ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، بابا فرید، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، نوشہ گنج بخش، سلطان باہو، بابا بلھے شاہ، حضرت سیال شریف اور پیر مہر علی شاہ جیسے کئی اکابرین کی ہمہ گیر نسبتوں سے بہت سی مثالیں ہندوستان کے مختلف شہروں میں موجود ہیں۔

دور حاضر سے کچھ مثالیں درج ذیل ہیں جن میں حکومتی سطح پر صوفیاے کرام کے اسمائے گرامی کی نسبت سے اداروں کے نام عوام کی نفسیات اور خوشی کو مد نظر رکھتے ہوے رکھے گئے ہیں۔ جیسے غوث کا نگر ملتان شریف کا ایک اور نام ہے۔ رکن عالم ملتانی کے نام سے شاہ رکن عالم ٹاون، شاہ رکن عالم کالونی، شاہ رکن عالم اسٹیشن، شاہ رکن عالم میٹرو بس سروس، اور عوامی سطح پر بہت سے کاروبار شاہ رکن عالم کے نام سے موجود ہیں۔

چوآسیدن شاہ میں سید ناشیر ازی کے نام سے لاتعداد شیر ازی ہوٹل، دکانیں، ورکشاپیں، اور شیر ازی محلہ معروف ہیں۔ عوام کا اپنے بزرگان دین کے نام سے کاروبار منسوب کرنے کا مقصد برکت کا حصول ہے۔ برکت سے ملنے والی آسودگی بلاشبہ انسان کی خوشی کا باعث بنتی ہے۔

نوشہ گنج بخشؒ کے مزار شریف کے ساتھ اور ساھنپال شریف کے راستے میں ایک گاؤں ''نوشہ پور'' کے نام سے موجود ھے۔ اسی طرح رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں نوشہ گنج بخشؒ کی اولاد میں سے محبوب علیؒ نوشاہی جن کا لقب سلطان صوبہ ماھی تھا کے نام پر رسول نگر کا ایک داخلی دروازہ ''دروازہ صوبے ماھی والا'' کے نام سے موجود ھے۔ نوشہؒ گنج بخش کی اولاد بزرگ شاہ عمر بخش نوشاھیؒ رسول نگری (متوفی ۱۳۱۱ ھجری) جن کا تخلص ''بخشیش گدا'' تھا کے نام پر نوئی یں والہ چٹھہ اور کوٹ دیول ضلع گوجرانوالہ کے مضافات میں ''بخشیش پورہ'' نامی بستی آباد ھے۔ نوشہ گنج بخشؒ کے عزیز الوجود خلیفہ شاہ عبدالرحمٰن المعروف بہ پاک صاحبؒ کا مدفن ان کے وہاں تشریف لے جانے سے پہلے بھڑی دھو تھڑ کے نام سے تھا لیکن ان کی نسبت سے اب ''بھڑی شاہ رحمان'' کے نام سے آباد ہے۔

تاریخی شہر میاں والی کا نام "میاں علی احمد قادری بغدادی" رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی نسبت سے پڑا ہے۔ میاں علی احمد صاحب، شیخ جلال الدین قادری بغدادی کے بیٹے تھے۔ ملتان شریف میں کئی ایسے مقامات ہیں جو غوث العالمین کے نام سے منسوب ہیں مثلاً زکریا کمپلیکس، زکریا گارڈن، بہاءالدین زکریا۔ یونیورسٹی کابل ذکر ہیں۔ ہندوستان میں آپ کے نام سے منسوب بہاءالدین زکریا مسجد، بہاءالدین زکریا اسکول، بہاءالدین زکریا چوک، بہاءالدین زکریا دارالعلوم، بہاءالدین زکریا کے نام سے ایک دیگ بھی ہے جس میں ہر سال عرس کے موقع پر منوں کے حساب سے کھانا پکتا ہے اور رسم پرچم کشائی بھی کی جاتی ہے۔ انڈیا کے ناگور شہر میں بہاءالدین زکریا سے منسوب بہاءالدین زکریا اسکول کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔

پاکستان کے شہر راولپنڈی میں پیر مہر علی شاہ بارانی زرعی یونیورسٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ اس جامعہ میں "پیر مہر علی شاہ چیئر" متعارف کروای گئ۔ خیر پور میں سلسلئہ عالیہ سہروردیہ قلندریہ کے عظیم بزرگ شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ کے نام سے منسوب "شاہ عبداللطیف یونیورسٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ اسی یونیورسٹی میں سچل سرمست چیئر، بھٹ شاہ ثقافتی مرکز بنایا گیا ہے۔ کراچی یونیورسٹی میں شاہ عبداللطیف چیئر متعارف کروای گئ ہے۔ اس کے علاوہ قلندر شھباز اور دوسرے بہت سے بزرگوں کے ناموں پر ادارے، دکانیں، بس سروس وغیرہ موجود ہیں۔ پیر سید ولایت حسین شاہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے جہلم کے ایک گاوں دھنیالہ کے، قریب ایک ٹرسٹ اور ہاسپٹل قائم ہے۔ شاہ رکن عالم ملتانی کے مرید و خلیفہ خواجہ مخدوم محمود براق شاہ لنگر جہاں سہروردی کے نام سے موسوم مخدوم انٹر کالج انڈیا آپ کا مزار شیخ پور کمال گنج فرخ آباد یو۔ پی انڈیا میں واقع ہے

میاں چنوں شہر بہاءالدین زکریا کے مرید میاں چنوں سہروردی کے نام کی نسبت سے ہے۔ آپ ہی کے نام سے میاں چنوں ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ سرگودھا کے نواح میں خواجہ محمد معظم الدین چشتی نظامی کے نام پر ایک قصبہ معظم آباد ہے۔ پنڈی بھٹیاں، پنجاب کے قریب بہلول دریائی کے نام پر ایک گاؤں آباد ہے۔ خانقاہ ڈوگراں کا نام بھی ایک سہروردی خانقاہ کی نسبت سے ہے۔

حاصل بحث

جنوبی ایشیا میں مزار کی عمارات زائرین کے درمیان جذبات پیدا کرنے کا کام سرانجام دیتی ہیں۔ ان جذبات میں خوشی کا جذبہ بہت اہم ہے۔ مختلف زندگی کے تجربات کے حامل زائرین مزار کی عمارت اور جگہ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ صدیوں سے زائرین مزار کی عمارت میں ایک مافوق الفطرت طاقت کو محسوس کرتے آئے ہیں اور یہاں آنا برکت اور خوشی کے حصول کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مورخین نے مشاہدے سے ثابت کیا کہ تحفظ اور خوشی کے حصول کے خاطر جذباتی کمیونیٹی نے خود کو مختلف رسومات کے ساتھ جوڑ کر رکھا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں منقعد ہونے والی چشتی صوفیا کے درباروں پر ذکر اور سماع کی محفلوں میں شامل ہو کر لوگوں نے دلی خوشی اور تسکین کی خاطر مزار کی مادیت میں بھی خوشی کو تلاش کیا۔ زائرین کا مزار کی دیواروں اور فرش کو عقیدت سے چھونا اور اس جگہ سے ہم آہنگ ہونا، وجد کی سی کیفیت کو طاری کرنا خوشی اور برکت کے حصول کی کوشش ہیں جو صدیوں سے ایک جیسے مناظر پیش کر رہی ہیں۔

جذبات پر متعلقہ تحقیق کا جائزہ لے کر تاریخ دانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ عمارت لوگوں کے جذبات کو ابھارتی ہے اور صوفیا کے مزارات جن سے لوگوں کی جذباتی اور روحانی وابستگی رہی اسکی خوشی اور سکون اور برکت کے حصول کی وجہ بنے۔

حواشی و حوالہ جات (References)

[1] Nicholas P. White, *A brief history of happiness*, (UK: BlackWell, 2006), 10.

[2] Nussbaum, M. C., *The fragility of goodness: Luck and ethics in Greek tragedy andphilosophy.* New York, NY: Cambridge University Press.

[3] Oishi, S., & Diener, E. (2003). Culture and well-being: The cycle of action, evaluation, and decision. *Personality and Social Psychology Bulletin*, *29*, 939-949., Kesebir, P., & Diener, E. (2008). In pursuit of happiness: Empirical answers to philosophical questions. *Perspectives on Psychological Science, 3,* 117–125., Diener, E. (1984). Subjective well-being. *Psychological Bulletin*, *95*, 542-575. Also see D. M. McMahon, *Happiness: A History*, (New York, NY: Atlantic Monthly Press, 2006), 140.

[4] Below is the incident of Mian Mir Lahori that when Darashkoh, drunk with honor and respect, came to you with shoes in his hands, this action had left his heart with love for Darashkoh. This incident can be seen in the biographies of Sakina Al-Awliya and Mian Mir. For details, see Muhammad Darashkoh Qadri, Sakina-ul-Auliya, Lahore: Publisher and Trader Al-Faisal, 1977.

[5] Timur bin Taraghe Birla was a warrior of 14th century Turkic Mongol descent. He was the conqueror of much of Western and Central Asia, and the founder of the Timurid Empire (1405–1370) and the Timurid Dynasty in Central Asia. For details, see Tazak Timuri.

[6] Dr. Abdullah Chughtai, Taj Mahal, Lahore: Kitab Khana Norris, 1963, p. 13. 31

[7] Dr. Abdullah Chughtai, Masjid Wazir Khan, Lahore: Kitab Khana Norris, 1963, p. 13. 41

[8] Ghaffar Shahzad, Khanqahi Culture in Punjab, Lahore: Fiction House, p. 52

[9] Abha Narain Lamba, *India: Eyewitness Travel Guides*, ed. Aruna Ghose (India: DK Pub., 2002).

[10] See for definition J. Gordon Melton, *The Encyclopaedia of Religious Phenomenon* (Canton, MI: Visible Ink Press, 2008), 302. See for detailed discussion on the concept *baraka*, Arthur Buehler, *Sufi Heirs of the Prophet: The Indian Naqshbandiyya and the Rise of the Mediating Sufi Shaykh* (Columbia: University of South Carolina Press, 1998), 117-9. Hussain Ahmad Khan, *Artisans, Sufis, Shrines: Colonial Architecture in Nineteenth Century Punjab* (London: I.B. Tauris, 2015), 19.

[11] I. Galinha, & J. Pais-Ribeiro, "Cognitive, affective and contextual predictors of subjective well-being", *InternationalJournal of Well-being*, Vol. 2, Issue. 1 (2011): 34-53.

[12] G. Dwyer, *The Divine and the Demonic: Supernatural Affliction and its Treatment in North India* (London: Routledge Curzon, 2003); S. Kakar, *Shamans, Mystics, and Doctors* (London: Unwin Paperbacks, 1982); Beatrix Pfleiderer, "The semiotics of ritual healing in a north Indian Muslim shrine", *Social Science and Medicine*, Vol. 27, Issue. 5 (1988): 417–424.

[13] Daniel Cubeddu & Tommy Mackay, "The attunement principles: a comparison of nurture group and mainstream settings", *Emotional and Behavioural Difficulties*, *Nature and Nature groups,* Vol. 22, Issue 3 (June 2017): 263.

[14] Alberto Perez Gomez, *Attunement, Architectural Meaning after the Crisis of Modern Science* (England: MIT Press, 2016), 20.

[15] Alberto Perez Gomez, *Built Upon Love, Architectural Longing after Ethics and Aesthetics* (England: MIT Press, 2006), 5.

[16] J. Levin, "Esoteric healing traditions: A Conceptual Overview," *The Journal of Science and Healing*, 4, (2008): 101–110.

[17] Morins Allins, *Sacred Journeys: The Anthropology of Pilgrimage*, (West post: Greenword Press, 1992), 55.

[18] M. Amin Pirzada, "The Psycho-Social Understanding of Shrine Visiting Practice in Conflict Times: A Case Study of Hazratbal Shrine in Indian Kashmir", *The Tibet Journal*, Vol. 38, No. 1-2 (Spring-Summer 2013): 55-67. Also see, S. M. Ikram, *Indian Muslims and Partition of India* (New Delhi, India: Atlantic Publishers & Dist, 1995), 9-10.

[19] Khwaja Hasan Nizami, Begumat Ke Tears, Collection Hasan Nizami, Lahore: Milestone Publications, 2007

Begums' Tears is a book of fact-based fiction, in which there are many references to princes and princesses of the declining royal family taking refuge in shrines during the period of decline.

[20] DC Gilk, "Symbolic, Ritual and Social Dynamics of Spiritual Healing," *Social Science and Medicine*, 27 (1988): 1197–1201.

[21] L. Golomb, "Curing and Socio-Cultural Separatism in South Thailand," *Social Science and Medicine*, 21, (1985): 463–468.

[22] Khwaja Khaliq Ahmad Nizami, Tarikh Mashaikh Chisht, Delhi: Institute of Literature, 1980, p. 450.

[23] Tarikh Mashaikh Chisht, p. 468

[24] Muhmmad Bashir, "Story of Pakistan", *Discover Pakistan*, Episode 11 (Oct. 2021).Weblink: https://youtu.be/gr1Wi8Kj_lQ(30:12 Minutes).

[25] B. Sébastia, "A protective fortress: Psychic disorders and therapy at the catholic shrine of Puliyampatti (South India)," *Indian Anthropologist,* 37(1), (2007): 70.

[26] Khwaja Hasan Nizami, *Tears of Begums*, 1857 Collection Khwaja Hasan Nizami, Milestone Publishers, 2007.

[27] Rashida Bibi, Resident of Chistiyan, a housewife, discussion with Shifa Ahmad (1st July 2020).

[28] Bashir Ahmad, Resident of Gojraan, shopkeeper, discussion with Shifa Ahmad (2nd August 2020).

[29] C. Bellamy, "Person in place: Possession and power at an Indian Islamic saint shrine," *Journal of Feminist Studies in Religion,* 24(1), (2008): 31–44.

[30] Gaston Bachelard, *The Poetics of Space* (Boston: Beacon Press, 1994); Samar Akash, *Cosmology and Architecture in Premodern Islam: An Architectural Reading of Mystical Ideas,* (Albany: State University of New York Press, 2005).

[31] Samaa is the name of listening to sufi music and strengthening the enthusiasm, which results in the state of wajid.

Also see Regula Burckhardt Qureshi, *Sufi Music of India and Pakistan: Sound,Context, and Meaning in Qawwali* (Karachi: Oxford University Press, 2007),17.

[32] Dhamal is a form of physically active meditation that originated in some Sufi monasteries, and is still practiced by Sufi dervishes. Leaving aside their self, ego, or personal desires, listening to music, focusing on God, and rotating their bodies in circles again and again, which has been seen as symbolic imitation of planets orbiting the Sun in the solar system.

[33]Bruce Lawrance, "The Early Chishti Approach to Sama", in, *Islamic Societyand Culture: Essay in the Honour of Professor Aziz Ahamd*. M. Israeland N.K Wagle (eds.) (Delhi: Manohar, 1983), 72.

[34] See Pamela E. Klaen, "Ritual" in John Corrigan, (ed.). *The OxfordHandbook or Religion and Emotion* (New York: Oxford University Press,2008), 143-161.

[35] Clifford Geertz, *The Interpretation of Cultures* (New York: Basic Books1973), 91. Also see Richard K. Wolf, *The Voice in the rum: Music, Language, andEmotion in Islamicate South Asia* (Chicago: University of Illinois Press,2014), 17.

[36] Abul Kalam Azad, Mufti Shafi, Maulana Shah Mohammad Jafar Pahlawari

[37] Muhammad Wahid Mirza, "The life and works of Amir Khusrau" (PhD Thesis, University of London, 1929), 240.

[38] Rashid Malik and Rafiq Ghaznavi believed that qawwali was associated with the dargah though. Khwaja Nizamuddin, however, did not invent it. On the other hand, many scholars said that qawwali was invented by Khusrau. For a detailed discussion of qawwali, see Akmal Hyderabadi, Qawwali Amir Khusro Kaho Shakeela Bano Tak (New Delhi: Shama Book Depot, 1983). Rashid Malik, Hazrat Amir

Khusrau)
Music and Other Schools (Lahore: Ref. Reprint, 1975) 182-186.
[39] Z. Ansari, Khusrau's Mental Journey, Anjuman-e-Pragati Urdu, 1977, p. 40
[40] Malfuzat, compiled by Khaliq Anjum, (Delhi: Maktaba Highway Urdu Bazar) 1957) Khwaja Banda Nawaz Gesu Daraz, Meraj-ul-Ashiqeen
[41] Bakhtiar Kaki alsoincluded samaa in life to achieve happiness. Faiz Ahmad Faiz has quoted from al-Anwar that Bakhtiar Kaki had asked the Prophet (peace and blessings of Allaah be upon him) for permission to perform samaa in his dream. Another tradition proves that Qutb-ud-Din Bakhtiar Kaki passed away while listening to samaa . Nizamuddin Auliya usedto participate in samaa gatherings for happiness and peace and listen to it with great enthusiasm. Once Amir Hasan AlaA Sajzi, author of 'Labh-ul-Fuad', asked Nizamuddin Auliya about some negative attitudes towards the music of Sufis who did not believe in samaa. Nizamuddin Auliya replied, "They are not able to feel the taste of Samaa, so, they do not listen." Another tradition is that only the deepest lovers of sufis used to listen to Samaa because they were able to bear and hear it. For details, see Khwaja Nizamuddin Auliya, 'Fuad al-Fuad, submitted by Amir Hasan Ala Sanjari, translator, Khwaja Hasan Nizami (Lahore: Angle, 2003), ed. 2
[42] Rosenwien, Barbara, *Generations of Feeling: A History of Emotions, 600–1700* (Cambridge: Cambridge University Press, 2016).
[43] Gomez, *Attunement, Architectural Meaning,*19.
[44] Abū al-Faẓl ibn Mubārak, *The A'in-i Akbari by Abu'l-Fazl 'Allami,* trans by H. Blochmann (Calcutta: Asiatic Society of Bengal, 1927).
[45] Baba Muhammad Yahya Khan, Kajal Kotha, Lahore: Milestone Publications, 2014
[46] Barila Sharif is a village in Gujrat district of Punjab province in Pakistan. It is one of the oldest villages in Gujarat. It is around 38 kilometres from Gujarat city and 25 kilometres from Jalalpur Jattan. Barila is known for its bc-era tomb discovered in 1902. According to one tradition, this tomb belongs to The Prophet, who according to the Bible is a son of Adam. Although the story of Qanbet is not correct because most of the local people who saw the tomb before its expansion do not believe it. In the courtyard of the shrine is the monastery of "Pir Sachiyar". Visitors visit the place during the day before dusk.
[47] L. Cuba and D.M. Hummon, "A Place to Call Home: Identification with Dwelling, Community, and Region," *Sociological Quarterly,* 34/1 (1993): 111-31.
[48] Pnina Werbner and Helene Basu (eds.), *Embodying Charisma: Modernity, Locality and the Performance of Emotion in Sufi Cults* (London: Routledge, 1998), 3-27.
[49] Baba Muhammad Yahya Khan, Kajal Kotha, Lahore: Milestone Publications, 2014